itsurdu.blogspot.com

یومِ دفاع کے حوالے سے خصوصی کہانی

چاکلیٹ، بستہ اور گڑیا

رابعہ حسن، مظفر آباد آزاد کشمیر

تاریک رات کی ہولناکی میں گولیوں کی گھن گرج نے مزید اضافہ کر دیا تھا۔ جب بھی کوئی جنگی جہاز آسمان کی سیاہ چادر کو پھاڑتے ہوئے گزرتا تو چہروں پر موت کے سائے لہرانے لگتے ساس کے باوجود سپاہیانِ وطن کے عزم و حوصلہ بہت بلند تھے۔

ہزاروں بے ساز و سامان مگر جذبۂ ایمانی سے سرشار مجاہدِ وطن دشمن کے آگے سینہ سپر تھے۔ ان ہی سرفروشانِ وطن میں سے ایک انوار احمد بھی تھا۔

"امین بھائی!" گولیوں کی گھن گرج تھمی تو انوار احمد نے اپنے قریبی مورچہ بند سپاہی کو آہستہ سے آواز دی۔

"کیا ہے انوار بھائی؟" اندھیرے میں امین کی آواز گونجی۔

"میرے شہید ہونے کے بعد میرے گھر جانا۔ یہاں آتے ہوئے خدیجہ بیٹی سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ اس کے لیے چاکلیٹ، بستہ اور گڑیا لاؤں گا..... تو..... اس کے لیے لے جانا....." شدت جذبات سے اُس کی آواز لرز اٹھی۔

"اللہ کرے گا ہم غازی ہوں گے!" امین نے آہستگی سے کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، اگرچہ تاریکی کی دبیز تہہ کی وجہ سے اُسے دیکھ نہیں سکتا تھا مگر پھر بھی اس کے چہرے کے تاثرات محسوس کر رہا تھا۔

"اُسے کہنا اُس کا بابا خود آتا مگر اسے رب سوہنے کی طرف سے بلاوا آ گیا اور دُعا کرنا کہ وہ اسے جنت میں ملے" انوار احمد کی آواز ڈوبنے لگی اور آنسو رخسار پر پھسلنے لگے۔

"انوار..... تو رو مت..... انشاء اللہ تجھے کچھ نہیں ہوگا" انوار احمد کو تسلی دیتے دیتے اس کی اپنی آواز رندھ گئی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ میدان جنگ میں موت اور زندگی کے فیصلے اچانک ہوا کرتے ہیں۔"

"او پگلے..... میں..... موت کے ڈر سے تھوڑا ہی رو رہا ہوں۔ موت تو برحق ہے اور شہادت تو بڑے نصیب والوں کو ملتی ہے۔ میں..... میں تو اس..... اس لیے رو پڑا کہ میں خدیجہ سے کیا وعدہ نہ نبھا سکوں گا۔"

انوار احمد نے ہنسنے کی کوشش کی تو اس میں نمی کی آمیزش بھی شامل ہو گئی۔

چند لمحوں تک خاموشی چھائی رہی کہ وہ دونوں سنبھلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اور پھر یہی انوار احمد کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اُس کی نگاہ شمال کی طرف پھیلنے والی روشنی پر پڑی۔

"ہوشیار..... دشمن دوبارہ حملے کی تیاری کر رہا ہے" کیپٹن کی آواز سنائی دی۔

"Come on, take your position and ready for defence."

"ٹرٹ..... ٹرٹ....." تھوڑی ہی دیر بیتی تھی کہ دشمن کی توپوں نے شعلے اگلنے شروع کیے تو جواباً پاک فوج نے بھی کارروائی شروع کر دی۔ آدھے ہی گھنٹے میں دشمن کی فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ پسپا ہو رہی ہے۔ فائرنگ اور گولہ باری میں بتدریج کمی ہو رہی تھی جبکہ انسانی چیخوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔

ادھر پاکستانی سپاہیوں نے اللہ اکبر کہہ کر پوری قوت سے دشمن پر دھاوا بول دیا جو کارگر ثابت ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں دشمن کی مشین گنیں مکمل طور پر خاموش ہو گئیں غالباً اُسے بھاری جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا تھا، جبھی دم دبا کے اسے بھاگنا پڑا۔

ان لمحوں میں کسی کے ذہن میں بھی نہ آیا کہ یہ دشمن کی کوئی جنگی چال بھی ہو سکتی ہے اور جب تک سمجھ میں آیا تب تک بہت کم وقت رہ چکا تھا۔ یہ دشمن کی جنگی چال تھی کہ اس نے اپنے حریف کو شمال میں الجھا کر مشرق کی طرف سے کامیابی سے پیش قدمی شروع کر دی تھی۔

"سر..... سر..... ایک سپاہی انتہائی بوکھلائے ہوئے انداز میں دوڑتا ہوا آیا۔ "سر..... دشمن نہایت تیزی سے مشرق کی طرف سے پیش قدمی کرتا ہوا خاردار تار کے قریب پہنچنے والا ہے۔"

اس خبر نے تمام نوجوانوں میں کھلبلی مچا دی۔

"جوانو....." کیپٹن کی جذبات سے لبریز آواز تاریکی کا سینہ چیرتے ہوئے اُبھری۔ "جب زندگی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

رب تعالیٰ کی امانت ہے اور اسے ایک ماں ایک دن لوٹاتا ہے تو پھر موت سے کیا ڈر اور شہادت تو ویسے بھی ایک جاوداں زندگی ہے۔ دشمن بری نیت لے کر ہماری طرف بڑھ رہا ہے وہ ہماری اسلام کے قلعہ کو گرا دینا چاہتا ہے پر ہم ایسے نہیں کرنے دیں گے۔ چلو..... آگے بڑھو اپنے لہو سے آزادی کے چراغ کو روشن رکھو یاد رکھو ورنہ ہماری نسلیں کبھی صبح آزادی نہ دیکھ سکیں گی۔"

کیپٹن کے چند ہی جملوں نے جوانوں کے لہو کو گرما کر رکھ دیا اور وہ پورے جوش و خروش سے مشرق کی طرف بڑھنے لگے۔ ہر قدم اٹھاتے ہوئے انہیں لگ رہا تھا کہ جیسے ان کے قدم دشمن کے ارادوں کو مٹی میں ملا رہے ہیں۔

انوار احمد اور دوسرے جوانوں نے جلد ہی پوزیشنیں سنبھال لیں۔ دشمن بڑی بے خبری سے آگے بڑھا چلا آ رہا تھا۔ شاید وہ ابھی تک اپنی جنگی چال کے زعم میں تھا کہ حریف کو بے خبری میں جا لے گا۔

انوار احمد کے کانوں میں کیپٹن کے الفاظ گونجنے لگے۔ پھر اس کی آنکھوں کے سامنے اپنا گاؤں آموں کے درخت، کلکاریاں بھرتے اٹھکیلیاں کرتے بچے، چوپال میں بیٹھے حقہ پیتے، گپیں لگاتے بزرگ، کنوئیں سے پانی نکالتیں عورتیں، گھر کے برآمدے میں لسی بلوتی ماں، چولہے پہ روٹیاں پکاتی بیوی اور ناچتی گاتی خدیجہ سب ایک ایک کر کے آ جا رہے تھے۔ دشمن بُری نیت لے کر ہماری طرف بڑھ رہا ہے، وہ ہمارے اسلام کے قلعہ کو گرا دینا چاہتا ہے۔" انوار احمد کی سماعتوں میں کیپٹن کے الفاظ گونجنے لگے۔ اس نے دیکھا کہ دشمن آہستہ آہستہ اُن کی رینج میں آتا جا رہا تھا۔ "چلو..... آگے بڑھو اپنے لہو سے آزادی کے چراغ کو روشن رکھو ورنہ ہماری نسلیں کبھی صبح آزادی نہ دیکھ سکیں گی۔" جونہی انوار احمد کے ذہن میں یہ الفاظ گونجے اُسے اپنے جسم کا سارا لہو سنسناتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس کے اندر ایک جذبہ پروان چڑھنے لگا کہ وہ کبھی اپنے وطن کو اپنے گاؤں کو اپنے گاؤں کے صحن کو نہیں اجڑنے دے گا۔

Ready for attack, one, two, three fire

اور "اللہ اکبر" کے نعرے سے دشمن پر حملہ کر دیا۔ دشمن چونکہ اس حملے کے لیے ذہنی طور پر قطعاً تیار نہیں تھا سو پہلے تو انہیں یوں لگا کہ جیسے اچانک آفت ٹوٹ پڑی ہے مگر کچھ ہی دیر بعد اندھا دھند فائرنگ اور گولہ باری شروع ہو گئی۔ چونکہ دشمن کو اپنے حریف کی ٹھیک پوزیشن کے بارے میں بھی نہیں پتہ تھا سو اندازاً فائرنگ اور گولہ باری کر رہا تھا۔ دشمن کے پاس بارود کا ڈھیر اور فوجیوں کی افراط تھی مگر پاکستانی فوج کے پاس ان اشیاء کے برعکس جذبہ تھا، ایک فرض تھا سو اُن کا پلہ بھاری تھا۔

دوسری طرف حملہ آور تھا اور اس طرف محافظ۔

"نصر من اللہ و فتح قریب" جیسے ہی فوج جوانوں کی ہمت کمزور پڑتی دکھائی دیتی، کیپٹن نعرہ لگا کے ان کی ہمت بندھاتا۔

انوار احمد جو کہ جزبہ ایمانی سے سرشار کئی دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا اچانک ہی چوک پڑا کیونکہ اُسے امین کی کراہ سنائی دی۔ وہ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصہ میں سمجھ گیا کہ کیا ہو چکا ہے۔

"نہیں....." دھاڑتے ہوئے اس نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ وہ اس وقت ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح دشمن پر پل پڑا تھا۔

اچانک اُسے اپنے دائیں بازو میں آگ بھرتی محسوس ہوئی اور پھر اُسے یوں لگا کہ جیسے آگ سنسناتی ہوئی اس کے سینے میں گھس آئی ہے۔

"الحمد للہ ..... ام ..... امین ..... چا..... چاکلیٹ ..... بستی ..... اور ..... گڑیا....." اور اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

☆.....☆.....☆

ملیالے کھیتوں کے درمیان بنے کچے پکے مکانوں میں سے ایک انوار احمد کا بھی تھا، جس کی دیواریں کچھ دیر پہلے دمک رہی تھیں اب کالک سے ڈھک چکی تھیں۔ مکان کی چھت پر جہاں کچھ دیر پہلے دیئے جھلملا رہے تھے باقی گھروں سمیت اب گھاس پھونس سے چھپا دی گئی تھیں۔ چالیس مکانات پر مشتمل اس چھوٹے سے دیہات میں انوار احمد کی بے حد عزت کرتے تھے۔ اس کی وجہ ایک طرف اس کی خاندانی شرافت اور شجاعت تھی تو دوسری طرف اس کے تن پر موجود فوجی وردی بھی وجہ عزت تھی۔

وہ اس گاؤں کا واحد فرد تھا جو کہ پاکستانی فوج میں شامل تھا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ لوگوں کو پاک فوج سے اتنا پیار تھا کہ وہ ہر اس شخص کو جس کے تن پر یہ وردی ہوتی تھی، دیوانہ وار چاہتے تھے چاہے وہ کوئی افسر ہوتا یا پھر کوئی عام سپاہی۔

انوار احمد کا خاندان اس کی بوڑھی ماں، ایک چھوٹے بھائی، بیوی اور پانچ سالہ خدیجہ پر مشتمل تھا۔ اس دفعہ وہ اپنے بھائی کی شادی کے لیے چھٹیوں میں گھر آیا تو گھر خوشیوں سے بھر گیا۔ مٹی کی دیواروں پر سفیدی کروائی گئی اور گھر چھوٹی چھوٹی رنگ برنگی کاغذی جھنڈیوں سے سجایا گیا۔ گھر بھر میں شادی سے ہفتہ بھر پہلے ہی ڈھولک بجنے لگا تھا اور خدیجہ زرق برق کپڑے پہن کر دوڑتی یوں محسوس ہوتی کہ جیسے کوئی ننھی منی سی تتلی اڑ رہی ہو۔

ابھی شادی میں دو دن باقی تھے کہ اچانک ہی ایک شام کو انوار احمد کا بلاوا آ گیا۔ سرحد پر حالات بہت خراب ہوتے جا رہے تھے اور کسی بھی وقت دشمن کے حملے کا خطرہ تھا۔ سو متوقع جنگ کے پیش نظر تمام فوجی جوانوں کی چھٹیاں منسوخ کر کے انہیں مختلف سرحدوں پر تعینات کیا جا رہا تھا۔

پھر..... تو رب سونپے دے حوالے..... یاد رکھنا کہ اپنے وطن اور اس کے لوگوں کے لیے جو قیمت

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ادا کرنی پڑے گی۔'' وقت رخصت اس کی ماں نے پُرنم آنکھوں مگر پُرعزم لہجے میں بیٹے سے کہا تھا۔

جب انوار احمد اپنی بیٹی خدیجہ سے گلے مل رہا تھا تو وہ اس کے ساتھ لپٹ کر رو پڑی۔ اس نے اُسے جلدی واپس آنے کا وعدہ کیا اور ساتھ چاکلیٹ، بستہ اور گڑیا لانے کا بھی۔ جب وہ شہر جانے والی بس میں سوار ہوا تو اسے اپنے گاؤں کے کھیت اور کچے مکانات الوداع کہتے دکھائی دیے۔ پھر اس نے سوچ کر سر جھٹک دیا کہ راہِ حق میں جانے والے ماضی کو بھلا دیتے ہیں اور کیا خبر کہ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ موت کے کتنے قریب جا رہے ہوتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

جنگ ختم ہو چکی تھی اور باقی دیہاتوں کی طرح انوار احمد کے گاؤں کی رونقیں بھی لوٹ آئی تھیں، گھروں کی سیاہ دیواریں ایک مرتبہ پھر مٹی سے لپیٹی جا چکی تھیں، ہر گھر سے مٹی کی نہایت میٹھی خوشبو اُٹھ رہی تھیں۔

خدیجہ نے جو گھر کے آنگن میں کھیل رہی تھی اچانک ہی آم کے بڑے پیڑ کے پیچھے چھپنے کے لیے کھیت کی طرف رخ کیا تو اچانک اُسے گاؤں کی کچی سڑک پر سے مٹی کے بگولے اٹھتے دکھائی دیے اور گرد و غبار کے طوفان میں اُسے ایک گاڑی کا ہیولہ تیزی سے آگے بڑھتا دکھائی دیا۔

''دادی..... امی..... گاڑی آ رہی ہے'' اپنے کھیل کو یکسر فراموش کرتے ہوئے خوشی سے چلاتے ہوئے طویل کچے آنگن کو عبور کر کے وہ برآمدے کی طرف دوڑی۔

کیا بات ہے خدیجہ؟ اس کی ماں نے کمرے سے آواز دے کر پوچھا۔

''امی..... گاڑی آ رہی ہے؟'' خدیجہ نے یوں اچھلتے ہوئے جواب دیا کہ جیسے کوئی بہت ہی انوکھی بات ہو گئی ہے۔

''روز ہی آتی ہے اس میں اتنا پُرجوش ہونے کی کیا بات ہے؟''

اس کی ماں دروازے کے چوکھٹ کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی

''امی..... ابو..... آئے ہوں گے'' خدیجہ کی آنکھوں میں یقین کی چمک واضح دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر گاڑی کے پاس پہنچ جائے۔ گاڑی سے تین آدمی اُترے جن کی وردی نہ ملتی کر رہی تھی کہ ان کا تعلق پاک آرمی سے ہے۔

ابھی میرے ابو اتریں گے! اس نے سوچا مگر یہ کیا یہ تو تین ہی آدمی ہیں میرے ابو کہاں ہیں؟ پھر جانے کیا سوچ کر بجھتی ہوئی گاڑی کے پاس پہنچی اور پنجوں کے بل اونچی ہو کر گاڑی کے شیشوں کے پار اپنے ابو کو تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگی مگر یہ کیا وہ تو گاڑی میں بھی دکھائی نہیں دے رہے۔

انکل..... ابو کہاں ہیں؟ وہ نا امیدی سے واپس ان کے پاس آ گئی۔

جواباً تینوں نے سر اٹھا کر تذبذب میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی سے نظریں جھکا لیں۔ مگر یہ خاموشی بھی سارا حال سنا رہی تھی۔

خدیجہ کی دادی اماں کچھ دیر کے لیے جیسے سکتے میں چلی گئیں۔

''میرے بیٹے نے کہاں گولی کھائی؟'' دادی نے سکتے کی کیفیت سے باہر نکلتے ہوئے پُرنم آواز سے پوچھا۔

''سینے پر.....'' ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا جس کے کندھے پر کیپٹن کے سٹارز تھے۔

''اللہ تیرا شکر.....'' دادی نے چادر کے پلّو سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے شکر خداوندی ادا کیا۔ وہ تینوں افراد چونک کر اُس بلند ہمت ماں کو دیکھنے لگے۔

''انکل..... ابو کہاں ہیں؟'' خدیجہ نے نہایت معصومیت سے پوچھا۔

''بیٹا.....'' کیپٹن نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کی آواز جیسے گلے میں پھنس کر رہ گئی اور اس نے حوالدار امین کی طرف امدادی نظروں سے دیکھا۔

''بیٹا..... وہ جنت میں ہیں'' حوالدار امین نے پوری قوت مجتمع کرتے ہوئے کہا۔

''جنت میں.....''

''جی'' حوالدار امین کی آواز بھرا گئی۔

''اگر ابو جنت میں ہیں تو آپ رو کیوں رہے ہیں؟'' اس کے لہجے اور انداز میں کچھ ایسا تھا کہ جس نے تینوں کو چونکنے پر مجبور کر دیا۔ ''جنت تو بڑی پیاری جگہ ہے وہاں پر صرف وہ لوگ جاتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ پیار کرتے ہیں اور کچھ عرصے بعد وہ بھی مجھے جنت میں بلا لیں گے اپنے پاس'' اس کی معصومیت نے لمحہ بھر میں ماحول کی سوگواریت کو دور کر دیا۔

''بیٹا..... یہ..... تمہارے ابو کی طرف سے'' حوالدار نے آگے بڑھتے ہوئے ایک بڑا سا سیاہ تھیلا اس کے ننھے منے ہاتھوں میں تھما دیا۔

''مجھے دیکھے بغیر بھی پتہ ہے کہ اس میں چاکلیٹ، بستہ اور گڑیا ہوں گی'' اس کے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

ان تینوں نے دادی سے اجازت چاہی، دادی نے انہیں روکنے کی کوشش تو بہت کی مگر وہ رُکے نہیں۔ ان سب کی کیفیت ایک سی تھی یوں لگ رہا تھا کہ وہ کچھ دیر اور یہاں ٹھہرے تو صبر کا پیمانہ ٹوٹ جائے گا۔

واپسی کے سفر میں ان کی آنکھیں پُرنم تھیں مگر یہ نمی دکھ کی نہیں بلکہ خوشی کی تھی کہ جس قوم میں ایسی مائیں اور ایسے معصوم اور پُرامید بچے ہوں اس قوم کو بھلا کون غلام بنا سکتا ہے۔

☆☆☆

itsurdu.blogspot.com